

## Naiki Ka Badla نیکی کا بدلہ

[ہمارے خاندان میں خالہ کو بہت زیادہ خوش قسمت تصور کیا جاتا تھا کیونکہ وہ بے حد خوشیوں بھری زندگی گزار رہی تھیں۔ ثمنینہ میری خالہ زاد تھی، وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے دادا گاؤں کے چوہدری تھے اور والد بہت بڑے افسر تھے، ان کی پوسٹنگ مختلف جگہوں پر ہوتی رہتی تھی اور وہ جہاں جاتے، بڑے بڑے بنگلوں میں رہتے۔ خالو جان کی ہم سے دور کی رشتہ داری تھی لیکن وہ ہمیں خاصی اہمیت دیتے۔ جب بھی ان کے گھر جاتے خاطر تواضع میں کسر نہ چھوڑتے تھے، مجھ کو اپنی بیٹی جیسا جانتے۔ ثمنینہ ان کی چھوٹی بیٹی تھی۔ خالہ جان کے دو بیٹے بھی تھے جن کے نام علی اور عباس تھے۔ دونوں ہی پیارے بچے تھے لیکن ثمنینہ سب سے زیادہ پیاری تھی۔ خالو جان کو دو ملازم سرکار کی طرف سے ملے ہوئے تھے۔ ایک کا نام باری تھا جو گھریلو کام کرتا تھا اور دوسرا گیٹ کیپر تھا۔ جب بھی وہ گاؤں جاتے، یہ ملازم خالو کے گھر پر موجود رہتے اور ان نے گھر کی حفاظت کرتے تھے۔ یہ لوگ کم ہی گاؤں آتے تھے۔ خالہ جان کا کہنا تھا، میں اپنے بچوں کو مٹی میں گندا ہوتے نہیں دیکھ سکتی کیونکہ گاؤں میں مٹی ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے بھی نہ دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے خالہ جان کو اتنی نعمتیں دیں کہ بیان نہیں کر سکتی، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اچانک ایک حادثے میں خالو جان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد خالہ جان کو سرکاری مراعات اور ملازمین سے بھی ہاتھ دھونے پڑ گئے۔ وہ مجبوراً سسر صاحب کے گھر گاؤں آ گئیں جہاں ان کی زمینداری تھی۔ ثمنینہ کے پاس اب بھی زندگی کی سب نعمتیں تھیں کسی شے کی کمی نہ تھی، زمینیں ان کی اپنی تھیں لیکن باپ کی شفقت اور ان کا سایہ موجود نہ تھا۔ یہ ایسی کمی تھی جس کو کسی صورت پورا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ زمینوں پر کام کرنے والے مزارعے نے اپنا بارہ سالہ بیٹا خالہ جان کے سپرد کر دیا اور کہا کہ اسے آپ کی خدمت پر مامور کر دیا ہے جو کام کرانا ہو، کروا لیا کریں۔ ثمنینہ اس وقت صرف دو سال کی تھی۔ جو لڑکا اس کی امی کے پاس بطور ملازم آیا تھا، اس کا نام انور تھا۔ وہ بہت اچھا، نیک، تابعدار اور خوبصورت تھا۔ خالہ جان نے اس کی ذمہ داری قبول کر لی اور شرافت کو دیکھ کر اس کو اسکول بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ وقت گزرتا رہا۔ انور صبح اسکول جاتا اور باقی وقت وہ خالہ جان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ اب خالہ جان کے بچے بڑے ہو گئے تھے، انور بھی جوان تھا، اس نے ایف ایس سی پاس کر لیا۔ اس کی تابعداری میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ یہ لڑکا ایسی خوبیوں کا مالک تھا کہ خالہ جان کو اس سے محبت ہو گئی اور وہ اس کو اپنی اولاد کی طرح چاہنے لگیں، بالکل اپنے بیٹوں کی طرح رکھتیں، کسی کو پتا نہ چلتا کہ یہ لڑکا ان کا بیٹا نہیں ہے بلکہ مزارع کا بیٹا ہے۔ انسان کے گنوں سے ہی اس کی قدر ہوتی ہے۔ انور نے بھی اپنے گنوں سے مقام پایا۔ وہ پڑھائی میں اول نمبر تھا اور دوسرے کام دیانتداری سے کرتا تھا۔ خالہ کی زمین بہت زیادہ تھی۔ سوچا کہ اس میں سے اس لڑکے کو کچھ دوں گی تاکہ اس کی زندگی بن جائے، پڑھ لکھ کر اسے مزدوری نہ کرنی پڑے۔ دادا جان فوت ہو گئے۔ اب خالہ جان ہی سب سے بڑی تھیں، بہت سے فیصلے خود ان کو کرنے تھے۔ بچوں کی شادی کا مرحلہ آیا تو سوچ میں پڑ گئیں، ثمنینہ کے رشتے کے لئے پریشان تھیں۔ خاندان میں جو لڑکے تھے، وہ صاحب جائداد ضرور تھے لیکن ان میں عیب بھی موجود تھے۔ خالہ جان کو انور سے بیٹوں جیسی محبت تھی۔ کچھ سوچ بچار کے بعد نظر انتخاب اسی پر پڑ گیا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ انور کو گھر داماد بنا کر بیٹی کو اسی سے بیاہ دیں گی۔ وہ روشن خیال تھیں، امیری، غریبی اور ذات پات کو اہمیت نہ دیتی تھیں۔ انور کا باپ مزارع ضرور تھا مگر اس کا تعلق اچھی ذات سے تھا۔ جب خالہ نے اپنے خیال کا اظہار ثمنینہ اور دونوں بیٹیوں سے کیا تو انہوں نے مخالفت نہیں کی کیونکہ ایک گھر میں رہنے کی وجہ سے وہ سب بھی انور سے انسیت رکھتے تھے۔ جب ثمنینہ کے چچا کو اس امر کا علم ہوا تو وہ بہت خفا ہوئے۔ یہ رشتہ برگر نہیں ہو سکتا، ہم اپنی لڑکی کو کسی جاہل اور غریب خاندان میں نہیں بیاہ سکتے، ہم گاؤں کے چوہدری ہیں، ہماری بیٹی مزارعوں میں کیسے جاسکتی ہے؟ رشتہ اپنے ہم پلہ گھرانے میں کیا جاتا ہے، ایسے ان پڑھوں میں نہیں۔ ان کا کہنا بھی غلط نہ تھا۔ صرف انور ہی پڑھا لکھا تھا باقی اس کا پورا خاندان ان پڑھ تھا۔ جب خالہ جان اس رشتے پر اڑ گئیں تو سارا خاندان ان سے ناراض ہو گیا مگر خالہ کو انور سے لگاؤ تھا، انہوں نے کسی کی نہیں سنی۔ سب سے کہہ دیا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی انور سے کروں گی، وہ دیکھا بھالا ہے، میرے ہاتھوں پلا بڑھا اور جوان ہوا ہے، وہ میرے طابع رہے گا، شادی کے بعد میری بیٹی کو دکھ نہ دے گا جبکہ سسرال میں سارے لڑکے آوارہ مزاج ہیں، ان میں سے کسی سے رشتہ کیا تو وہ ثمنینہ کو دکھ دیں گے، شراب پیتے ہیں، دولت لٹاتے ہیں حتیٰ کہ بازار حسن جاتے ہیں اور برے لوگوں کی صحبت کو برا نہیں سمجھتے جبکہ انور میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے۔ بہر حال ان کا فیصلہ نہ بدلا البتہ چچا، چچی اور دوسرے لوگوں کے واویلا کرنے پر ثمنینہ ضرور پریشان ہو گئی کہ یہ سب کیا بوریا ہے جبکہ وہ بطور بھائی انور سے انسیت رکھتی تھی۔ اس کے دماغ میں دوسری کوئی بات نہ تھی۔ اب رشتے دار طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ ان کے خیال میں ثمنینہ کی مرضی اس میں شامل تھی مگر وہ کچھ نہ جانتی تھی، کبھی اس کے دل میں انور کے لئے کوئی ایسا ویسا خیال جا گزیر نہیں ہوا تھا۔ ان کے گھر کا ماحول بہت پاکیزہ تھا۔ کسی کے منہ پر کون ہاتھ رکھ سکتا تھا۔ جتنے لوگ اتنی باتیں بونے لگیں۔ رشتے داروں نے ثمنینہ کے کانوں میں ایسی باتیں ڈالنی شروع کر دیں کہ وہ ڈسٹرب رہنے لگی، مضطرب ہوتی گئی۔ جب خالہ نے یہ صورتحال دیکھی، انہوں نے سسرالی رشتے داروں سے ناتا توڑ لیا اور ثمنینہ کے نکاح کی تاریخ رکھ دی گئی۔ پہلے میرا نکاح خالہ کے بیٹے علی سے ہونا تھا، ہمارے نکاح سے اگلے روز انور اور ثمنینہ ہمارے نکاح سے اگلے روز انور اور ثمنینہ کو نکاح کے بندھن میں باندھا جانا تھا۔ خالہ نے بیٹے کے نکاح پر اپنے سسرالی رشتے داروں کو مدعو کیا لیکن ثمنینہ کے نکاح کی بات ان سے پوشیدہ رکھی گئی، تاہم ان کو کچھ سن گن مل گئی تھی شاید جب میرا اور مصطفیٰ کا نکاح ہو رہا تھا اور سب لوگ ادھر مصروف تھے، ثمنینہ کے چچا نے اس کو گاڑی میں بٹھایا اور اپنے گھر لے گئے جو بالکل خالہ کے گھر کے قریب تھا۔ انہوں نے وہاں ثمنینہ پر بندوق تان لی اور کہنے لگے۔ تم انور سے پسند کی شادی کرنا چاہتی ہو اور اپنی ماں کو اڑ بنا لیا ہے، ہم یہ شادی برگز نہیں ہونے دیں گے، ہم اس گاؤں کے چوہدری ہیں، ملازم کے لڑکے کو داماد بنا کر عزت مٹی میں نہیں ملا سکتے۔ انہوں نے ایک سادہ کاغذ ثمنینہ کے سامنے رکھا کہ اس پر دستخط کرو۔ وہ گھبرا گئی اور ڈر کر رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز سن کر چچا زاد بھائی کمرے میں آ گیا۔ اس نے وکالت پاس کر رکھی تھی۔ اپنے باپ سے کہا۔ بابا جان، آپ یہ بہت غلط کر رہے ہیں، ایسا مت کریں اور ثمنینہ سے زبردستی کسی کاغذ پر دستخط نہ لیں، اس مسئلے کو ہم بعد میں پیار و محبت اور بات چیت سے حل کر لیں گے۔ اس نے بندوق باپ سے لے لی اور یہ

گئی مگر اب ماں کہہ کر چچا زاد نے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور کہا۔ ٹمینہ ، فوراً چلی جاؤ۔ وہاں سے بچ کر وہ گھر آ سے مقابلہ مشکل تھا، وہ بیٹے کی رسم نکاح میں مصروف تھیں۔ ٹمینہ نے کچھ کہنا چاہا خالہ نے بیٹی کی بات نہ سنی۔ وہ بہت سہمی ہوئی تھی، اپنے کمرے میں دیر تک اکیلی بیٹھی روتی رہی۔ اگلے دن شام کو اس کا انور سے نکاح تھا جس کے لئے خالہ نے کافی راز داری سے کام لیا تھا، صرف انور کے والد اور چچا کو بلایا تھا۔ ادھر ٹمینہ کے بھائی گواہ بنے اور یہ مرحلہ راز داری سے طے ہو گیا۔ ٹمینہ نے ماں سے منع بھی کیا کہ چچا سے دشمنی مول نہ لیں ، ورنہ وہ جینا حرام کر دیں گے ، انور ہمارا بھائی بن کر یہاں رہا ہے تو بھائی ہی رہنے دیں مگر خالہ نے ایک نہ سنی۔ ایک سال تک خالہ جان نے اس بات کو راز رکھا، یہاں تک کہ میں ان کی بہو بن کر سسرال آگئی، سال بعد انہوں نے بیٹی کی سادگی سے رخصتی کر دی اور وہ انور کی دلہن بن کر ان کے گھر چلی گئی۔ خالہ کا خیال تھا معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو پھر بیٹی اور داماد کو واپس بلوالوں کی لیکن معاملہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ ٹمینہ کے چچاؤں اور دیگر رشتے داروں نے کہہ دیا اگر انور اور ٹمینہ نے دوبارہ اس گھر میں قدم رکھا تو ہم انور کو گولیوں سے چھلنی کر دیں گے ، وہ اب یہاں دوبارہ نہیں آ سکتا۔ انور ٹمینہ کو پا کر بہت خوش تھا لیکن ٹمینہ کافی پریشان تھی کیونکہ اس کے سسرال والوں کا ماحول بالکل مختلف تھا۔ وہاں کوئی فرد بھی پڑھا لکھا نہیں تھا۔ انور گریجویٹ ضرور تھا مگر وہ بیروزگار تھا۔ آخر کار اسے ریلوے میں کلرکی مل گئی اور وہ لاہور ریلوے اسٹیشن پر تعینات ہو گیا۔ ڈیوٹی کیلئے اس کو اسٹیشن پر رہنا پڑتا تھا جبکہ ٹمینہ سسرال والوں کے ساتھ گاؤں میں رہتی تھی۔ انور ہر ماہ صرف ایک بار چھٹی پر ملنے آتا تھا۔ شرفساد کے ڈر سے ٹمینہ کے بھائیوں نے بھی اس کو میکے آنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ بچاری وہاں بہت اداس اور پریشان تھی۔ ایک سال بعد ایک بیٹی کی ماں بھی بن گئی جس کی پرورش اچھے ماحول میں نہ ہو پا رہی تھی۔ وہ مجھروں سے تنگ تھی اور گرمی سے نڈھال ہو جاتی تھی ، پینے کو صاف پانی بھی میسر نہ تھا۔ خالہ چوری چھپے کچھ رقم ہر ماہ بھجواتی تھیں مگر یہ رقم اس کے سرائی اپنے اوپر خرچ کر لیتے تھے، وہ خالی ہاتھ رہ جاتی تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔ ہم سب موزوں اور مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے کہ معاملات چچا والوں سے درست ہوں گے تو ٹمینہ کو لے آئیں گے۔ پھر ڈیڑھ برس بعد اس کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا دے دیا مگر وہ خوش نہ تھی۔ کھانے پینے کو اس کی مرضی کا نہ ملتا تھا۔ بیٹا پیدا ہوتے ہی بیمار ہو گیا، اسے ٹائیفائیڈ ہوا، وہ بڑی مشکل سے بچا۔ ٹمینہ کی ساس واحد ہستی تھی جو ایک ماں کی طرح بہو کا خیال رکھتی تھی ، اس کی قدر کرتی تھی اور پیار دیتی تھی۔ وہ بھی چل بسی ، اس کی وفات کے بعد گھر کا ماحول ٹمینہ کے لئے اور خراب ہو گیا۔ اس کی جتھانی اور دیورانی دونوں ہی اس سے جلتی تھیں اور جہالت کے باعث طرح طرح سے تنگ کرتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ یہ مہارانی ہے تو اپنے گھر کی ہے ، ہم کیوں اس کا کام کریں ، اسے کھانا بنا کر دیں ، میں اپنے سارے کام خود کرے۔ پہلے ساس ساتھ دیتی تھی ، اب وہ اس سے برتنوں کی دھلائی ، جھاڑ و صفائی اور کھانا بنانے پر اصرار کرتیں اور لڑتیں۔ شوہر گھر موجود نہ ہو تو اکیلی عورت ان مسائل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ٹمینہ کو گھر کے ایسے کام کرنے کی عادت نہ تھی۔ وہ ایک زمیندار گھرانے کی لڑکی تھی ، شہزادیوں کی طرح پلی بڑھی تھی ، اس کے گھر میں دس نوکرانیاں تھیں۔ آج وہ سارے کام خود کر نے پر مجبور تھی۔ جو پہلے کبھی اس کی نوکرانیاں کرتی تھیں۔ جتھانیوں، دیورانیوں، نندوں ، ان کے بچوں اور شوہروں نے ٹمینہ کا جینا دوبھر کر دیا، ان کے طرز زندگی پر بھی اس لڑکی کو سخت الجھن ہوتی تھی۔ اب اسے احساس ہوا کہ یکساں طرز زندگی نہ ہونے سے حیات کتنی مشکل ہو جاتی ہے۔ ماں نے اس کی شادی کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی ، شاید ان کو اپنے سسرالی رشتے داروں کی طاقت کا اندازہ نہ تھا جو اب ٹمینہ اور انور کو میکے آنے نہ دیتے تھے۔ جب انور سے ٹمینہ نے رورو کر مطالبہ کیا کہ مجھ کو اپنے گھر کے جلتے جہنم سے نکالو تو وہ دو بچوں سمیت اسے اپنے ساتھ لاہور لے آیا۔ بڑی مشکل سے ایک گوارٹر آلات کرا سکا ، تنخواہ تھوڑی تھی جس میں گزارہ مشکل تھا۔ انور اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لے آیا تھا تا کہ ٹمینہ گھر میں اکیلی نہ رہے۔ لاہور میں اس نے منصور کو اسکول داخل کرا دیا۔ ٹمینہ منصور کا بہت خیال کرتی تھی۔ اس کو پڑھا لکھا کر اپنے بھائی سے کہہ کر دینی بھجوا دیا۔ جو خرچہ خالہ بھیجتی تھیں ، ٹمینہ اپنے دیور کی پڑھائی پر لگا دیتی تھی تا کہ سسرال کے خاندان کا ایک فرد تو پڑھ لکھ کر سدھر جائے ، کمانے کے لائق ہو جائے ، ایک تو اس کا ہم نوا ہو۔ خالہ جان نے بڑی مشکل سے کچھ زمین اپنے اختیار میں لی اور اس کی پیداوار بیٹی کو دینے لگیں جس سے ٹمینہ کی مشکلات آسان ہو گئیں۔ حالات بھی بہتر ہوئے۔ اب اس کے چاروں بچے اچھے اسکولوں میں پڑھنے لگے ، انور کی بھی ریلوے میں ترقی ہو گئی۔ یوں کافی مسائل پر قابو پالیا گیا۔ مجھ کو ٹمینہ سے ملنے کی اجازت نہ تھی لیکن جب میکے جاتی ، اس سے ملنے جاتی تھی ، امی ساتھ ہوتیں۔ ٹمینہ اپنے دکھ بیان کرتی اور روتی تو کافی افسوس ہوتا تھا کہ خالو کی ایک ہی بیٹی تھی، شہزادیوں جیسی، دیکھو کیسی اس کی قسمت نکلی۔ دن سدا ایک سے نہیں رہتے۔ منصور نے کچھ دن وفا کی ، دینی سے کافی کما کر وہ اپنے والدین کو بھجوانے لگا ، کچھ رقم انور کو بھی بھجواتا تھا مگر پھر اس نے بھائی اور بھابی سے ناتا توڑ لیا اور اپنی ساری کمانی والدین کے لئے وقف کر دی۔ ٹمینہ کو اس بات کا شکوہ نہ تھا ، افسوس تھا تو یہ کہ اپنی بھابیوں کے کہنے میں آ کر اس نے ٹمینہ اور انور سے قطع تعلق کر لیا تھا جبکہ ٹمینہ نے اسے بچوں کی طرح پالا پوسا اور پڑھایا لکھایا تھا۔ اب ٹمینہ کہتی تھی۔ سچ ہے پرانی اولاد کی پرورش بڑے جان جوکھم کا کام ہوتا ہے۔ باپ کی زمینوں سے بھی بہت کم حصہ دیا گیا، بعد میں اس کے بھائی بھی اپنے چچاؤں کے ہم خیال ہو گئے ، صرف ماں کے حصے میں آتی زمین ہی اسے مل سکی اور یہ سزا تھی انور سے شادی کی، ماں کے اس اقدام کو ان کے بیٹوں نے معاف بھی نہ کیا ، بہوؤں نے ساس کو برا بھلا کہا اور وہ ان کے ساتھ حقارت کا سلوک کرنے لگیں۔ ان کی بہویں ان کے سسرال سے تھیں۔ وضاحت کرتی چلوں کہ مجھ کو شادی کے بعد جب اولاد نہ ہوئی تو میرے شوہر نے دوسری شادی اپنی چچا زاد سے کر لی تھی کہ ان کی زمین دگنی ہو جائے۔ خدا نے اولاد بھی دے دی اور چچاؤں نے دشمنی بھی ختم کر دی ، گرچہ بظاہر عزت کرتے تھے مگر دل میں مجھ سے وہ سب لوگ خار کھاتے تھے کیونکہ میں خالہ جان کی بھانجھی تھی اور ان کی طرف داری کرتی تھی۔ ان کا خیال رکھتی تھی۔ اس پر میری سوئٹن اور دیورانی دونوں ہی جلتی تھیں اور مجھے سے بدظن رہتی تھیں۔ وہ اپنے شوہروں کو بھی مجھ سے بدظن کرتی تھیں ، تنگ آ کر بالآخر خالہ جان ٹمینہ کے گھر منتقل ہو گئیں۔ وہ بیٹی تھی ، ہر حال میں ماں کا خیال رکھتی تھی۔ انور نے بھی وفا کی بیٹا بن کر دکھایا۔ آخری عمر میں خالہ جان کا خیال ایک بیٹے کی مانند رکھا ، ان کو کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب وہ بیمار ہو گئیں تو ان کی خدمت سگے بیٹوں سے بڑھ کر کی جبکہ سگے بیٹوں نے پوچھا تک نہیں۔ سچ ہے کسی کے ساتھ نیکی کر و تو رائیگاں

نہیں جاتی - انور نے بھی بیٹا ہونے کا آخر کار حق ادا کر دیا۔']